۵

تشخیص و علاج

پچھلے صفحات میں جو تاریخی بیان پیش کیا گیا ہے اس پر مجموعی نگاہ ڈالنے سے ایک عام ناظر کے سامنے کئی باتیں بالکل وضاحت کے ساتھ روشن ہو جائیں گی۔

سب سے پہلے تو وہ اُن مسائل اور اُن پیچیدگیوں کو صاف پہچان جائیگا جو مغرب کی تاریخ اور ہماری موجودہ اجتماعی زندگی میں مشترک ہیں۔ وہ دیکھے گا کہ یہاں نظام جاگیرداری بھی اپنی بہت سی خصوصیات کے ساتھ موجود ہے۔ اور جدید سرمایہ داری بھی اپنے بہت سے عیوب کے ساتھ جنم لے چکی ہے۔ کچھ بیماریاں ہم نے اپنے دورِ انحطاط سے میراث میں پائی ہیں۔ اور کچھ مغرب کے صنعتی انقلاب اور نظام سرمایہ داری کے جلو میں ہم تک پہنچی ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ یہاں کوئی پاپائیت اور کوئی کلیسائی نظام موجود نہیں ہے۔ نہ کوئی ایسا مذہبی طبقہ Priest Class موجود ہے جس کا صاحبِ فضل طبقوں سے گٹھ جوڑ ہو اور وہ خدا اور مذہب کا نام لے لے کر بے جا امتیازات اور زبردستی جمائے ہوئے حقوق کی حمایت کرے۔

پھر اس تاریخی مطالعہ سے ناظر کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے ہاں کے بوجھ بجھکڑ اپنی سوسائٹی کے مسائل اور پیچیدگیوں کو حل کرنے کے لئے آئے دن جو طرفہ تجویزیں پیش کرتے رہتے ہیں اُن کا شجرۂ نسب کیا ہے۔ یہ جو ہم سنا کرتے ہیں کہ کوئی صاحب "اجتماعی منصوبہ بندی" کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں، اور کوئی دوسرے صاحب ملک کے معاشی نظام میں "انقلابی تبدیلیاں" چاہتے ہیں، اور کوئی تیسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ زمین کو انفرادی ملکیت سے نکال کر "قومایا جائے"[1]، اور کسی طرف سے آواز آتی ہے کہ ساری کلیدی صنعتیں بھی "قومائی جائیں"، اور کوئی عطائیوں کی مجلس بڑے غور و خوض کے بعد یہ نسخۂ کیمیا لے کر آتی ہے کہ زمینداریوں کو ختم کر دیا جائے، یہ سب وہ نوادرِ حکمت ہیں جو مغرب کے اناڑیوں کی بیاض سے اڑائے گئے ہیں اور اب یہاں وہ سب تجربات ہوا چاہتے ہیں جو روس میں، جرمنی و اٹلی میں اور امریکہ و انگلستان میں ہو چکے ہیں۔ مگر

---

[1] یعنی قومی ملکیت بنا دیا جائے (Nafionalise) کر دیا جائے۔ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ میں اردو میں اس انگریزی طریقِ تعریف و استقال کو جائز سمجھتا ہوں۔ دراصل میں نے طنزیہ اندازِ کلام کی مناسبت سے یہاں اس بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔

اس معاملہ میں بھی ہماری اور اُن کی مماثلت ایک فرق کے ساتھ ہے۔ وہاں کے اناڑی کم از کم مجتہد تو ہیں۔ لیکن یہاں جو حضرات مطب کھول بیٹھے ہیں وہ اناڑی پن کے ساتھ مقلد بھی ہیں۔ مغرب کے اناڑی نقصان ہوتے دیکھیں گے تو نسخے میں کچھ ردوبدل کر لیں گے۔ مگر یہاں مغرب سے ہی کسی ردوبدل کی اطلاع آجائے تو بات دوسری ہے ورنہ ڈاکٹر مریض کی آخری ہچکی تک انشاء اللہ ایک ہی نسخہ پلاتا رہے گا۔

ایک اور بات جو مغربی ممالک کی تاریخ تمدن و تہذیب اور داستان افکار و اعمال میں آدمی کو نمایاں طور پر نظر آتی ہے وہ پیہم کشمکش نزاع اور جدال ہے۔ ایک گروہ زندگی کے میدان پر قابض ہو کر اخلاق کو، مذہب کو، قانون کو، رسم ورواج کو، اور تمدن کے سارے نظام کو ایک رُخ پر کھینچ لے جاتا ہے یہاں تک کہ دوسرے گروہوں کے ساتھ بے انصافی کی انتہا ہو جاتی ہے۔ پھر ان مظلوم گروہوں میں سے کوئی ایک اٹھ کر اس ظالم گروہ سے گتھ جاتا ہے اور اس کے غلط کے ساتھ اس کے صحیح پر بھی خط نسخ پھیرتا ہے اور فکر و عمل کے پورے نظام کو پہلی انتہا سے کھینچ کر دوسری انتہا کی طرف لے جاتا ہے یہاں تک کہ پھر بے انصافی حد کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد شکوہ و شکایت سے گزر کر نوبت ایک تیسری بغاوت تک پہنچتی ہے۔ اور ضد اور ہٹ دھرمی کا طوفان پھر جھوٹ کے ساتھ سچ کو بھی بہالے جاتا ہے اور اگلوں سے بھی بڑھ کر ایک اور انتہا پسندانہ نظام قائم ہو جاتا ہے۔ اس طوفان کی تباہ کاریاں دیکھ کر اس کے مقابلے میں ایک جوابی طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور وہ بھی اپنے حریف سے کچھ کم انتہا پسند نہیں ہوتا۔ اس کھینچ تان کی وجہ سے مغرب کی تاریخ آدمی کو کچھ اس طرح سفر کرتی نظر آتی ہے جیسے ایک شرابی لڑکھڑاتا ہوا خط منحنی چل رہا ہو، نہ کہ ایک ہوشمند انسان سویّا علیٰ صراطٍ مستقیم چلا جا رہا ہو۔ ہیگل اور مارکس بیچارے اس منظر کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے کہ انسانی تمدن کے ارتقاء کی فطری چال یہی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ سب کچھ نتائج ہیں صرف ایک چیز کے اور وہ یہ ہے کہ اہلِ مغرب مدتہائے دراز سے بغیر ھدیً ولا کتابٍ منیر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سینٹ پال کے توسط سے جو عیسائیت اُن کو پہنچی تھی اس کا رشتہ شریعت سے پہلے ہی توڑا جا چکا تھا۔ اس کے پاس مسیح علیہ السلام کے چند اخلاقی مواعظ کے سوا کوئی ایسی خدائی ہدایت سرے سے موجود ہی نہ تھی جس پر تمدن و سیاست و معیشت کا ایک وسیع نظام تعمیر کیا جا سکتا۔ بائیبل کا پرانا عہد نامہ خود بھی ۲ فیصدی خدائی ہدایت کے ساتھ

۸۰ فیصدی انسانی کلام کی آمیزش اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ اس لئے اگر بعد میں انہوں نے نیم عقیدت اور نیم بے عقیدگی کے ساتھ اسکی طرف رجوع کیا بھی تو اس سے کچھ بہت زیادہ رہنمائی نہ مل سکی۔ اسلام عین اس زمانے میں یورپ کے سامنے آچکا تھا جب کہ مغربی رومن امپائر کا نظام درہم برہم ہوئے تھوڑی ہی مدت گزری تھی اور دورِ متوسط کی تاریکی کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا۔ لیکن جس یورپ نے دینِ مسیحی کو اس شرط پر قبول کیا تھا کہ شریعت اس کے ساتھ نہ ہو، وہ بھلا اُس اسلام کی طرف حصولِ ہدایت کے لئے کیسے توجہ کرتا جو شریعت کے بغیر نرا دین وایمان پیش کرنے کے لئے کسی طرح تیار ہی نہ تھا۔ کچھ تو اس وجہ سے، اور کچھ پادریوں کے پھیلائے ہوئے تعصبات کی وجہ سے، یورپ نے اسلام سے بھی کوئی روشنی حاصل نہ کی۔ اب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ اہلِ مغرب خود ہی اپنی عقل سے اپنے لئے نظام زندگی بناتے۔ چنانچہ یہی انہوں نے کیا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ انسان خالص عقلی فیصلے نہیں کر سکتا۔ اُس کی عقل کے ساتھ خواہش کا گمراہ کن شیطان بھی لگا ہوا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سارے انسان ایک ساتھ مل کر کوئی نظام زندگی وضع نہیں کیا کرتے۔ کچھ بیدار مغز لوگ ہی ایک نظام تجویز کرتے ہیں اور وہ علم وعقل رکھنے کے ساتھ لامحالہ کچھ اپنے ذاتی وطبقاتی تعصبات بھی رکھتے ہیں جن کی وجہ سے ان کا نظام انہی لوگوں کو اپیل کرتا ہے جو ان کے ساتھ ان کے تعصبات میں شریک ہوں۔ یہی اسباب ہیں جن کی بنا پر یورپ میں وقتاً فوقتاً جتنے نظام زندگی بھی بنتے رہے وہ سب غیر متوازن تھے، اور اس عدم توازن کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ وہاں ایک پیہم کشمکش اور کھینچ تان جاری رہتی۔

سوال یہ ہے کہ کیا فی الواقع ہم بھی اس دنیا میں بغیر ھدیً ولا کتاب منیر ہی ہیں؟ کیا ہمارے لئے بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ قدیم ہندوانہ جاہلیت، اور دورِ متوسط کے مغل نظام اور دورِ حاضر کے فرنگی تمدن نے مل جل کر جن مسائل سے ہم کو دوچار کر دیا ہے اُن کے حل کی وہی صورتیں اختیار کریں جو اشتراکیت، نازیت، فاشیت اور سرمایہ داری نے مغرب میں اختیار کی ہیں؟ کیا ہمارے پاس بھی کوئی ایسی روشنی موجود نہیں ہے جس کی مدد سے ایک متوازن نظام بنایا جا سکتا ہو؟ ـــــ جو شخص اسلام کو جانتا ہو وہ ان سوالات کا جواب اثبات میں نہیں دے سکتا۔

اصلی الجھن اسلام کے اصول پر ہم ان مسائل کو کس طرح حل کر سکتے ہیں، اس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک مرتبہ واضح طور پر اس اصلی الجھن کو سمجھ لیا جائے جس سے اس وقت دنیا دوچار ہے اور ہم کو بھی دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ مختصر الفاظ میں وہ الجھن یہ ہے کہ

اگر ہم بے قید معیشت کے اصول اختیار کرتے ہیں (جن کی رو سے ہر شخص کو بے روک ٹوک یہ موقع حاصل رہتا ہے کہ جس قدر ذرائع پیداوار کو چاہے اپنے قبضے میں لائے اور جس طرح چاہے اپنے نفع کے لئے سعی و جہد کرے۔ نیز جن کی رو سے سوسائٹی میں عدل و توازن قائم کرنے کے لئے صرف مقابلہ و مسابقت اور رسد و انحصار کے خود رو قوانین ہی پر اعتماد کر لیا جاتا ہے) تو اس سے سرمایہ داری نظام کی وہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور ہماری سوسائٹی کی حد تک جاگیرداری نظام کی بھی وہ بہت سی خرابیاں باقی رہ جاتی ہیں، جن کا ذکر اس سے پہلے ہم "نظام جاگیرداری" اور "جدید نظام سرمایہ داری" کے زیر عنوان کر چکے ہیں۔

اور اگر ہم انفرادی ملکیت کے طریقے کو ختم کر کے تمام ذرائع پیداوار پر اجتماعی قبضہ و تصرف قائم کر دیتے ہیں، تو بلاشبہ مذکورۂ بالا خرابیوں کا تو بڑی حد تک تدارک ہو جاتا ہے، مگر اول تو یہ بنیادی تغیر ہی جان و مال کی اس بے دریغ بربادی اور مذہب و اخلاق سے اس کھلی بغاوت کے بغیر نہیں ہو سکتا جس کی مثال روس کے اشتراکی انقلاب میں ہم کو ملتی ہے۔ دوسرے اگر بالفرض یہ تغیر پُر امن جمہوری طریقوں سے ہو بھی جائے تو اجتماعی ملکیت کا نظام بہرحال انفرادی آزادی کو قطعی ختم کر دیتا ہے۔ جمہوری طریقوں سے سوشلزم قائم کرنا درحقیقت جمہوریت کے ذریعے سے جمہوریت کو ختم کرنا ہے۔ اس لئے کہ جمہوریت تو اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتی کہ سوسائٹی میں کم از کم ایک بہت بڑی اکثریت آزاد پیشہ ور لوگوں کی موجود رہے۔ لیکن سوشلزم اس کے برعکس آزاد پیشوں کو ختم کر دیتا ہے۔ معیشت کا جو شعبہ بھی اجتماعی انتظام میں لیا جائے گا، اس کے تمام کارکن ایسے ہی ہو جائیں گے جیسے سرکاری ملازم۔ ملازمت پیشہ طبقہ میں جتنی کچھ آزادی رائے اور آزادی عمل پائی جاتی ہے، ہر شخص اس کو جانتا ہے۔ یہ طریقہ جتنا جتنا معیشت میں پھیلتا چلا جائے گا، آزادی فکر، آزادی گفتار، آزادی اجتماع، آزادی تحریر، اور آزادی کار کی سرحدیں سکڑتی چلی جائیں گی۔ یہاں تک کہ جس روز پوری معیشت پورے اجتماعی انتظام میں چلی جائے گی اسی روز ملک کی پوری آبادی بالکل سرکاری ملازمین میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس طرح کے نظام کی عین فطرت یہی ہے

کہ جو گروہ ایک مرتبہ اُس میں برسرِ اقتدار آجائے گا، وہ پھر ہٹایا نہ جا سکیگا۔

اور اگر ہم انفرادی ملکیت کے نظام کو مٹانے کے بجائے صرف اس پر ایک مضبوط سرکاری تسلّط (State Control) قائم کر دیتے ہیں اور پوری قومی معیشت کو ایک مرکزی منصوبہ بندی کے مطابق چلاتے ہیں، جیسا کہ فاشیت اور نازیت نے کیا، تب بھی نظام سرمایہ داری کی بہت سی خرابیوں کا مداوا تو ہو جاتا ہے، مگر انفرادی آزادی کے لئے آہنی ضابطہ بندی بھی مہلک ثابت ہوتی ہے۔ اس کے نتائج عملاً وہی کچھ ہیں جو سوشلزم کے نتائج ہیں۔

اور اگر ہم نظام سرمایہ داری کو اسکی اصل بنیادوں پر قائم رکھتے ہوئے اس کے اندر اس طرح کی اصلاحات کرتے ہیں جیسی اب تک امریکہ اور انگلستان وغیرہ ممالک میں ہوئی ہیں تو ان سے جمہوریت اور انفرادی آزادی تو برقرار رہتی ہے مگر اُن بڑی اور اصلی خرابیوں میں سے کوئی ایک بھی دور نہیں ہوتی جن کی بدولت نظام سرمایہ داری دنیا کے لئے ایک لعنت اور مصیبت بن چکا ہے۔

گویا ایک طرف کنواں ہے تو دوسری طرف کھائی۔ اجتماعی فلاح کا انتظام کیا جاتا ہے تو افراد کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ افراد کی آزادی کو بچایا جاتا ہے تو اجتماعی فلاح غارت ہو جاتی ہے۔ ایسا کوئی نظامِ زندگی اس وقت تک دنیا نہیں پا سکی ہے جس میں صنعتی انقلاب تو اپنی تمام برکات کے ساتھ جوں کا توں چلتا اور بڑھتا رہے اور پھر انفرادی آزادی اور اجتماعی فلاح دونوں بیک وقت پورے اعتدال کے ساتھ نبھ جائیں۔ اسی قسم کے ایک نظام کی دریافت پر دنیا کا مستقبل معلّق ہے۔ اگر وہ نہ ملا تو صنعتی انقلاب ہی کے پستول سے انسان خود کشی کر لیگا اور اگر وہ مل گیا تو جو ملک بھی اس کا ایک کامیاب نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر دے گا وہی دنیا کا امام بن جائے گا۔

اسلامی حل آیئے اب ہم دیکھیں کہ اسلام جو اصول ہم کو دیتا ہے ان کی بنیاد پر یہ پیچیدگی کس طرح حل کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے چند بنیادی حقیقتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔

چند بنیادی حقیقتیں اوّلین بات جس کو جان لینا اسلامی نظام تمدن کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے، یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اصل اہمیت فرد کی ہے نہ کہ جماعت یا قوم یا معاشرے کی۔ فرد جماعت کے لئے نہیں ہے بلکہ جماعت فرد کے لئے ہے۔ خدا کے سامنے کوئی جماعت یا قوم یا معاشرہ اپنی مجموعی حیثیت میں ذمہ دار نہیں ہے بلکہ ایک ایک شخص

فرداً فرداً اپنی ذاتی حیثیت میں ذمہ دار ہے، اور اس ذاتی ذمہ داری و جواب دہی پر ہی انسان کی ساری اخلاقی قدر و قیمت کا مدار ہے۔ اجتماعی زندگی سے اصل مقصود مجموعی خوشحالی نہیں بلکہ انفرادی فلاح ہے اور ایک نظام جماعت کے صالح یا فاسد ہونے کا حقیقی معیار یہی ہے کہ وہ اپنے افراد کی شخصیتوں کے پھلنے پھولنے میں اور ان کی ذاتی صلاحیتوں کے پوری طرح بروئے کار آنے میں کس حد تک مددگار و معاون یا مانع و مزاحم ہے۔ اس بنا پر اسلام اجتماعی تنظیم کی کسی ایسی صورت کو، یا جماعتی فلاح کی خاطر کسی ایسی تدبیر کو پسند نہیں کرسکتا جس سے افراد جماعتی شکنجے میں اس حد تک کس جاتے ہوں کہ ان کی مستقل شخصیت دب جائے اور بہت سے آدمی چند آدمیوں کے ہاتھوں میں بے روح آلات بن کر رہ جائیں۔

انسان کی انفرادیت کا صحیح نشوونما اور اسکی شخصیت کا پورا پورا ابھار بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اسے فکر و عمل کی آزادی حاصل ہو۔ اس غرض کے لئے صرف آزادی رائے، آزادی تحریر و تقریر، آزادیٔ سعی اور آزادی اجتماع ہی ضروری نہیں ہے بلکہ آزادی معاش بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ یہ ایک فطری حقیقت ہے جس کو ثابت کرنے کے لئے کسی لمبی چوڑی بحث کی حاجت نہیں۔ صرف عقلِ عام ہی اس کا ادراک کرنے کے لئے کافی ہے۔ ایک راہ چلتا آدمی بھی اس بات کو خوب جانتا ہے کہ جس شخص کی معاش آزاد نہیں ہے اسے درحقیقت کوئی آزادی بھی حاصل نہیں ہے، نہ رائے کی، نہ زبان اور قلم کی اور نہ سعی و عمل کی۔ لہٰذا انسانیت کے لئے اگر کوئی معاشرہ سب سے بہتر ہوسکتا ہے تو صرف وہ جس میں ایک بندۂ خدا کے لئے اس امر کے کافی مواقع موجود ہوں کہ اپنے ضمیر کو فروخت کئے بغیر اپنے ہاتھ پاؤں کی محنت سے دو وقت کی روٹی پیدا کر سکے۔ اگرچہ صنعتی انقلاب کے دور میں اس کے مواقع بہت کم رہ گئے ہیں۔ بڑے صنعتی اور تجارتی اداروں نے اور بڑے پیمانے کی کاشت نے منفرد دست کاروں اور کاریگروں کے لئے اور چھوٹے چھوٹے سوداگروں اور کاشتکاروں کے لئے زندگی کا میدان اس قدر تنگ کر دیا ہے کہ وہ اُن کے مقابلے میں اپنے آزاد پیشے کامیابی کے ساتھ نہیں چلا سکتے۔ تاہم جس نظام میں ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت برقرار ہو اس میں باوسیلہ اشخاص کے لئے اس امر کا اچھا خاصا موقع باقی رہتا ہے کہ خود اپنے آزاد صنعتی یا تجارتی یا زراعتی ادارے قائم کریں۔ اور بے وسیلہ کارکنوں کے لئے بھی کم از کم اتنی گنجائش تو ضرور ہی باقی رہ جاتی ہے کہ ایک شخص یا ادارے کی نوکری و مزدوری ان کے ضمیر پر بار ہو تو دوسرے دروازے پر جا کھڑے ہوں۔ مگر جہاں تمام یا بیشتر ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت بنا دیا جائے، یا جہاں شخصی ملکیتوں کو باقی رکھا جائے، مگر ناجی

وفاشی طریقے پر سارے معاشی کاروبار کو ریاست کے مکمل تسلط میں ایک ہمہ گیر منصوبہ بندی کے تحت چلایا جائے، ایسی جگہ تو افراد کی معاشی آزادی کس طرح باقی رہ ہی نہیں سکتی اور اس کے خاتمہ کے ساتھ ذہنی، معاشرتی اور سیاسی آزادی کا جنازہ آپ سے آپ نکل جاتا ہے۔ لہٰذا جو نظام زندگی انسان کی انفرادیت کو عزیز رکھتا ہو اور انسانی شخصیت کے ابھار کو مقصدی اہمیت دیتا ہو اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ اجتماعی فلاح کی ایسی تمام اسکیموں کو اصولی طور پر اور قطعی وحتمی طور پر رد کر دے جن میں یہ تجویز کیا گیا ہو کہ زمینوں اور کارخانوں اور تجارتوں کو قومی ملکیت بنا لیا جائے، یا ان پر ریاست کا تازیانہ تسلط قائم کر کے ایک مرکزی منصوبہ بندی کے تحت ساری معیشت کی مشین گھمانی شروع کر دی جائے۔

یہی پوزیشن اس معاملہ میں اسلام نے اختیار کی ہے۔ وہ کمیونزم کا تو ایک اور وجہ سے بھی مخالف ہے، اور وہ یہ ہے کہ کمیونسٹ حضرات ذرائع پیداوار کو انفرادی ملکیت سے نکال کر قومی ملکیت بنانے کے لئے مار دھاڑ اور زبردستی سے کام لیتے ہیں۔ لیکن اگر اس سکیم کو نافذ کرنے کے لئے یہ غاصبانہ ظلم وستم اور ظالمانہ سلب ونہب کا طریقہ نہ بھی اختیار کیا جائے اور اس کے بجائے ارتقائی سوشلزم کے وہ طریقے استعمال کیئے جائیں جن سے زمینوں اور صنعتوں اور تجارتوں کو قوانین کے ذریعہ سے بتدریج قومی ملکیت میں تبدیل کیا جاتا ہے، تب بھی اسلام کا مزاج اسکو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، کیونکہ اس طرح کا نظام اپنی عین فطرت ہی کے لحاظ سے انسانیت کُش واقع ہوا ہے۔ علیٰ ہٰذالقیاس نازی اور فاشی طرز کی ضابطہ بندیاں اور منصوبہ بندیاں بھی اسلام کی طبیعت کے بالکل خلاف ہیں، اس لیئے کہ ان کے اجتماعی فوائد خواہ کچھ بھی ہوں، لیکن انسانی تشخص کے ظہور اور نشوو ارتقا اور تکمیل میں وہ بہر حال مانع ہیں۔

اس معاملہ کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ اسلام جو ذہنیت اور اخلاقی نقطۂ نظر انسان کے اندر پیدا کرتا ہے اس کا سنگ بنیاد ہے خدا کا خوف اور خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا احساس۔ یہ دونوں اوصاف جس شخص یا گروہ میں موجود ہوں اُس پر اگر اجتماعی معاملات کی سربراہی کا بار ڈال دیا جائے تو وہ ایسا ایک نظام قائم کرنے اور چلانے کے لئے خود ہی تیار نہیں ہو سکتا جس میں اپنے ذاتی بوجھ کے ساتھ ساتھ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی انفرادی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی وہ اُن کے سر سے اتار کر خود اپنے سر پر لادلے۔ یہی وہ بات ہے جو

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں ایک قحط کے موقع پر فرمائی تھی۔ جب آپ سے عرض کیا گیا کہ قیمتیں بہت چڑھ رہی ہیں، آپ سرکاری طور پر اشیاء کے نرخ مقرر فرما دیجئے، تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار فرما دیا اور عذر یہ بیان کیا کہ انی ارید ان القی اللہ ولیس لاحد عندی مظلمۃ یطلبنی بھا "میں اپنے خدا سے اس طرح ملنا چاہتا ہوں کہ میرے خلاف کوئی ایک شخص بھی ظلم کی شکایت کرنے والا نہ ہو"۔[۱]

مزید برآں اسلام ہر معاملہ میں انسان کو فطری حالت سے قریب تر رکھنا چاہتا ہے اور زندگی کے کسی پہلو میں بھی مصنوعی پن کو پسند نہیں کرتا۔ انسانی معیشت کے لئے فطری حالت یہی ہے کہ خدا نے رزق کے جو ذرائع اس زمین پر پیدا کیے ہیں ان کو افراد اپنے قبضے میں لائیں، فرداً فرداً اور گروہ گروہ بن کر اُن پر تصرف اور ان سے استفادہ کریں اور اپنے آپس میں اشیاء اور خدمات کا آزادانہ لین دین کرتے رہیں۔ غیر معلوم مدّت سے اس طرز پر انسانی معیشت کا کارخانہ چلتا آرہا ہے اور یہ گنجائش کچھ اس فطری نظام ہی میں نکل سکتی ہے کہ ایک آدمی معاشرے کے اندر رہتے ہوئے بھی اپنی معیشت میں آزاد اور اپنی زندگی میں مستقل ہو سکے۔ رہے وہ بے شمار چھوٹے بڑے "ازم" جو نیم پختہ ذہن کے لوگ آئے دن تصنیف کرتے رہتے ہیں، تو وہ سب ایک نہ ایک طرح کا مصنوعی نظام تجویز کرتے ہیں جس میں آدمی ایک مستقل ذی روح انسان ذی شعور شخصیت اور ایک مقصدی اہمیت رکھنے والی ہستی کے بجائے محض اجتماعی مشین کا ایک پرزہ بن کر رہ جاتا ہے۔

مصنوعی طریقوں کی طرح اسلام انقلابی طریقوں کو بھی پسند نہیں کرتا۔ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کسب معاش کے بکثرت ایسے ذرائع استعمال کرتے تھے جن کو اسلام نے بعد میں آکر حرام اور سخت قابلِ نفرت ٹھہرایا۔ مگر پہلے کی جو املاک چلی آرہی تھیں ان کے متعلق اسلام نے یہ جھگڑا نہیں اٹھایا کہ جن جن لوگوں نے حرام خوری

---

[۱] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے گرانی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کے علاج کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ دراصل جس چیز سے آپ نے انکار کیا تھا وہ یہ تھی کہ حکومت اپنی مصنوعی مداخلت سے قیمتوں کے پیچیدہ نظام کو درہم برہم کرے۔ اس طریقہ کو چھوڑ کر آپ نے اپنی پوری قوت کاروباری لوگوں کی اخلاقی اصلاح پر صرف فرمائی اور مسلسل تبلیغ سے یہ بات ان کے ذہن نشین کی کہ جان بوجھ کر قیمتیں چڑھانا ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ تبلیغ خوب کارگر ثابت ہوئی اور کچھ زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ قیمتیں اعتدال پر آنی شروع ہوگئیں۔

کے ذریعہ سے دولت کمائی تھی اب ان کی املاک ضبط ہونی چاہئیں۔ حتیٰ کہ سود خواروں، اور قحبہ گری کا پیشہ کرنے والوں اور ڈاکہ مارنے والوں تک کے پچھلے اعمال پر گرفت نہ کی گئی جس کے قبضے میں جو کچھ تھا، اسلام کے دیوانی قانون نے اس کے حقوق ملکیت تسلیم کر لیے آئندہ کے لئے حرام طریقوں کو بند کر دیا گیا، اور سابقہ ملک کے نظام کا قانون میراث بتدریج تحلیل کرتا چلا گیا۔

تفصیلات مذکورہ بالا حقائق کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب ذرا چند صفحات پیچھے پلٹ کر ایک نظر پھر اُن مباحث پر ڈال لیجیے جو اس سے پہلے "جدید نظام سرمایہ داری" کے باب میں آپ کی نگاہ سے گذر چکے ہیں۔ وہاں بے قید معیشت کے اصولوں کی جو تشریح ہم نے کی ہے، آپ خود محسوس کریں گے کہ انسانی معیشت کے فطری اصول درحقیقت وہی ہیں البشر طیکہ ان سے وہ مبالغہ الگ کر دیا جائے جو اہل مغرب کے بورژوا طبقہ نے اپنی خود غرضی و انتہا پسندی کی بنا پر ان میں شامل کر دیا تھا۔ پھر وہاں "خرابی کے اسباب" جو ہم نے بیان کیئے ہیں آپ تسلیم کریں گے کہ درحقیقت وہی خرابی کے اصل اسباب ہیں جنھیں اگر دور کر دیا جائے تو انسانی معیشت کا نظام اپنی فطری بنیادوں پر بہت اچھی طرح چل سکتا ہے بغیر اس کے کہ اس میں سرمایہ داری نظام کی برائیاں پیدا ہوں اور ان کے علاج کی مصنوعی تدبیریں اختیار کرنی پڑیں۔

ٹھیک یہی طریق کار ہے جو اسلام نے اختیار کیا ہے۔ وہ "بے قید معیشت" کو "آزاد معیشت" میں تبدیل کر دیتا ہے، اور اس آزادی کو اُسی طرح چند حدود کا پابند بناتا ہے جس طرح تمدن و معاشرت کے تمام دوسرے شعبوں میں انسانی آزادی کو محدود کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ایسے تمام دروازے بند کر دیتا ہے جن سے آزاد معیشت میں ظالمانہ سرمایہ داری کی خصوصیات اور اثرات و نتائج پیدا ہونے کا امکان ہو۔ آیئے اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ دیکھیں کہ اسلام کے ان اصولوں پر معیشت کا کیا نقشہ بنتا ہے۔

(۱) اسلام تمام دوسری ملکیتوں کی طرح زمین پر بھی انسان کی شخصی ملکیت تسلیم کرتا ہے۔ جتنی قانونی شکلیں ایک چیز پر کسی شخص کی ملکیت قائم و ثابت ہونے کے لئے مقرر ہیں اُن ساری شکلوں کے مطابق زمین بھی اُسی طرح ایک آدمی کی ملکیت ہو سکتی ہے جس طرح کوئی دوسری چیز۔ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ ایک گز مربع سے لے کر ہزار ہا ایکڑ تک، خواہ کتنی ہی زمین ہو، اگر کسی قانونی صورت سے آدمی کی ملک میں آئی ہے

تو بہرحال وہ اسکی جائز ملک ہے۔ اس کے لئے خود کاشت کرنے کی قید بھی نہیں ہے۔ جس طرح مکان اور فرنیچر کرائے پر دیا جا سکتا ہے، سواری کرائے پر چلائی جا سکتی ہے، اسی طرح زمین بھی کرائے پر دی جا سکتی ہے۔ بلا کرایہ کوئی شخص کسی کو دے تو یہ صدقہ ہے۔ مگر کرایہ ولگان یا بٹائی پر معاملہ طے کرے تو یہ ویسا ہی ایک جائز فعل ہے جیسے تجارت میں حصہ داری۔ رہیں "نظام جاگیرداری" کی وہ خرابیاں جو ہمارے ہاں پائی جاتی ہیں، تو نہ وہ خالص زمینداری کی پیداوار ہیں اور نہ ان کا علاج یہ ہے کہ سرے سے زمین کی شخصی ملکیت ہی اڑا دی جائے، یا اس پر وہ مصنوعی حد بندیاں عائد کی جائیں جو "زرعی اصلاحات" کے نام سے آج کل کے نیم حکیم تجویز کر رہے ہیں۔ بلکہ اسلامی اصول پر ان کا علاج دراصل یہ ہے کہ:

زمین کی خرید و فروخت پر سے تمام پابندیاں اٹھا دی جائیں اور اس کا لین دین بالکل اسی طرح کھلے طور پر ہو جس طرح دنیا کی دوسری چیزوں کا ہوتا ہے۔

زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ طبقوں کی مستقل تفریق ہر شکل اور ہر حیثیت سے قطعی ختم کر دی جائے۔

وہ مخصوص امتیازی حقوق بھی از روئے قانون منسوخ کر دیئے جائیں جو ہماری دیہاتی زندگی میں مالکان زمین کو حاصل ہیں۔

مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان حقوق و فرائض از روئے قانون مقرر کر دیئے جائیں اور ان مقرر حقوق کے ماسوا کسی دوسری قسم کے حقوق مالکان زمین کو اپنے مزارعین پر حاصل نہ ہوں۔

میراث کے معاملہ میں تمام رسوم جاہلیت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ زمینداروں کی موجودہ املاک شرعی طریقے پر ان کے زندہ وارثوں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں۔ اور آئندہ کے لئے اسلام کا قانون میراث ٹھیک ٹھیک نافذ کیا جائے۔

زمین بیکار ڈال رکھنے پر پابندی عائد کر دی جائے۔ مثلاً یہ کہ جو زمینیں حکومت سے آبادکاری کے لئے دی ہوں وہ اگر تین سال سے زیادہ مدت تک بیکار ڈال رکھی جائیں گی تو عطیہ منسوخ ہو جائے گا۔ اور جو مملوکہ زمینیں افتادہ چھوڑ رکھی جائیں گی ان پر ایک خاص مدت کے بعد ٹیکس لگا دیا جائے گا۔

زمینداروں اور کاشتکاروں سے ان کی پیداوار کا ایک مخصوص حصہ ان مقاصد کے لئے الگ لے لیا جائے

جن کا ذکر آگے نمبر (۴) میں آرہا ہے۔

نئے سائنٹفک طریقوں سے اگر بڑے پیمانے کی کاشت کرنی ہو تو اس کے لئے امداد باہمی کے ایسے ادارے قائم کیے جائیں جن میں چھوٹے چھوٹے مالکانِ زمین اپنے مالکانہ حقوق قائم رکھتے ہوئے آپس کی رضامندی سے اپنی املاک کو ایک بڑے کھیت میں تبدیل کرلیں اور مل جل کر ایک انجمن کی طرح اس کے سارے کاروبار چلائیں۔

کیا ان اصلاحات کے بعد زمینداری میں کوئی ایسی خرابی باقی رہ جاتی ہے جس کی معقولیت کے ساتھ نشان دہی کی جاسکتی ہو؟[1]

(۲) اسلام اشیاء استعمال اور ذرائع پیداوار کے درمیان اس طرح کا کوئی فرق تسلیم نہیں کرتا کہ ایک پر شخصی ملکیت جائز ہو اور دوسرے پر نہ ہو۔ اس کے نزدیک یہ بات بالکل جائز ہے کہ ایک آدمی دوسرے لوگوں کے لئے اُن کی ضروریاتِ زندگی میں سے کوئی چیز تیار یا فراہم کرے اور اسے ان کے ہاتھ فروخت کرے۔ یہ کام وہ خود اپنے ہاتھ سے بھی کرسکتا ہے اور دوسروں سے اجرت پر لے بھی سکتا ہے۔ ایسے سامان کی تیاری یا فراہمی میں، وہ جس مواد خام کو، جن آلات کو اور جس کارگاہ کو استعمال کرے، ان سب کا وہ مالک ہوسکتا ہے۔ یہ سب کچھ جس طرح صنعتی انقلاب کے دور سے پہلے جائز تھا اسی طرح اس دور میں بھی جائز ہے۔ مگر بے قید صنعت وتجارت نہ پہلے صحیح تھی اور نہ اب صحیح ہے۔ اسلامی اصول پر اسے حسب ذیل قواعد کا پابند بنانا ضروری تھا اور ہے۔

کسی ایسی فنی ایجاد کو، جو انسانی طاقت کی جگہ مشینی طاقت سے کام لیتی ہو، صنعت وحرفت اور کاروبار میں استعمال کرنے کی اس وقت تک اجازت نہ دی جائے جب تک اس امر کا اچھی طرح جائزہ نہ لے لیا جائے کہ وہ کتنے انسانوں کی روزی پر اثر ڈالے گی، اور یہ اطمینان نہ کرلیا جائے کہ ان متاثر ہونے والے لوگوں کی معیشت کا کیا بندوبست ہوگا۔

اجیروں اور مستاجروں کے درمیان حقوق اور فرائض اور شرائط کار کا تفصیلی تعین تو بہر حال فریقین ہی کی باہمی قرارداد پر چھوڑا جائیگا مگر ریاست اس معاملہ میں انصاف کے ساتھ چند اصول لازماً طے کردے۔ مثلاً ایک کارکن

[1] زمین اور اس کے انتظام کے بارے میں اسلامی احکام کا ایک مجموعہ ان شاء اللہ عنقریب مرتب کردیا جائے گا جس سے اس اجمال کی تفصیل معلوم ہوجائے گی۔

کے لئے کم سے کم تنخواہ یا مزدوری کا معیار، زیادہ سے زیادہ اوقات کار کی حد، بیماری کی حالت میں علاج کے اور جسمانی نقصان کی صورت میں تلافی کے اور ناقابل کار ہو جانے کی حالت میں پنشن کے کم سے کم حقوق ہوں یا ایسے ہی دوسرے امور۔

اجیر و مستاجر کی نزاعات کا تصفیہ حکومت اپنے ذمہ لے اور اس کے لئے باہمی مفاہمت، ثالثی، اور عدالت کا ایک ایسا ضابطہ مقرر کر دے جس کی وجہ سے ہڑتالوں اور در بندیوں (Lockouts) کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔

کاروبار میں احتکار[1] (Hoarding)، سٹے (Speculation)، تجارتی قمار بازی، اور رفائے سمعل کی قطعی ممانعت کر دی جائے، اور ان تمام طریقوں کو از روئے قانون بند کیا جائے جن سے قیمتوں پر ایک مصنوعی آماس چڑھتا ہے[2]۔

پیداوار کو قصداً برباد کرنا جرم قرار دیا جائے۔

صنعت اور تجارت کا ہر شعبہ حتی الامکان مسابقت کے لئے کھلا رہے اور اجارہ داریوں سے کسی شخص یا گروہ کو ایسے امتیازی حقوق دئے جائیں جو دوسرے لوگوں کو حاصل نہ ہوں۔

ایسی صنعتوں اور تجارتوں کی اجازت نہ ہو جو عامۃ الناس کے اخلاق یا صحت پر برا اثر ڈالتی ہوں۔ اس طرح کی کوئی چیز اگر کسی پہلو سے ضروری ہو تو اس کی صنعت و تجارت پر تا بحد ضرورت پابندیاں عاید کی جائیں۔

حکومت نازی طریقے پر صنعت و تجارت کو بالکل اپنے تسلط (Control) میں تو نہ لے، مگر رہنمائی اور توفیق (Co-ordination) کی خدمت لازماً انجام دیتی رہے تاکہ ملک کی صنعت و تجارت غلط راستوں پر بھی نہ جانے پائے، اور معاشی زندگی کے مختلف شعبوں میں ہم آہنگی بھی پیدا ہو سکے۔

اسلامی قانون میراث کے ذریعہ سے زمینداروں کی طرح صناعوں اور کاروباری لوگوں کی سمٹی ہوئی دولت

---

[1] یعنی اشیاء ضرورت کے ذخائر کو سمیٹ کر فروخت سے روک رکھنا تاکہ ان کی قیمتیں چڑھ جائیں۔

[2] اسلامی شریعت کا تجارتی قانون درحقیقت معاشی زندگی کی اصلاح کا ایک بڑا اہم باب ہے جس سے دنیا نے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ خود مسلمانوں نے بھی اس سے مجرمانہ غفلت برتی ہے۔ یہاں اس قانون کی تفصیلات بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ انشاء اللہ عنقریب ایک مستقل رسالہ خاص اس موضوع پر مرتب کر دیا جائے گا۔ اس مقام پر صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ کاروبار کے ان غلط طریقوں کو از روئے قانون بند ہونا چاہیئے جو اجتماعی مفاد کے لئے نقصان دہ ہیں۔

بھی باہم تقسیم ہوتی رہے تاکہ مستقل دولت مند طبقے نہ بننے پائیں۔

اہل زراعت کی طرح تاجروں اور صناعوں اور کاروباری لوگوں سے بھی ان کی آمدنیوں کا ایک حصّہ اُن مقاصد کے لئے لازماً لے لیا جائے جن کا ذکر آگے نمبر (۴) میں آرہا ہے۔

(۳) مالیات میں اسلام افراد کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ ان کی آمدنیوں کا جو حصہ ان کی ضروریات سے بچ رہے، اسے جمع کریں، یا دوسروں کو قرض دیں، یا خود کسی کاروبار میں لگائیں یا کسی صنعت و تجارت میں اپنا سرمایہ دیکر اس کے نفع و نقصان میں حصہ دار بن جائیں۔ اگرچہ اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ تو یہی ہے کہ لوگ اپنی فاضل آمدنیوں کو نیک کاموں میں خرچ کر دیا کریں، لیکن وہ مذکورۂ بالا چاروں طریقوں کو بھی جائز رکھتا ہے، بشرطیکہ وہ حسب ذیل قواعد کے پابند ہوں۔

جمع کرنے کی صورت میں وہ اس جمع شدہ دولت کا ۲½ فی صدی سالانہ حصّہ لازماً اُن کاموں کے لئے دیتے رہیں جن کا ذکر آگے نمبر (۴) میں آرہا ہے، اور جب وہ مریں تو ان کا پورا سرمایہ اسلامی قانون میراث کے مطابق ان کے وارثوں میں تقسیم ہو جائے۔

قرض دینے کی صورت میں وہ صرف اپنا دیا ہوا سرمایہ ہی واپس لے سکتے ہیں۔ کسی حالت میں سود کے مستحق وہ نہیں ہیں، خواہ قرض لینے والے نے اپنے ذاتی مصارف میں صرف کرنے کے لئے قرض لیا ہو یا کسی صنعت و تجارت میں لگانے کے لئے۔ اسی طرح وہ اس امر کا حق بھی نہیں رکھتے کہ اگر اپنے دیئے ہوئے مال کی واپسی کا اطمینان کرنے کے لئے انہوں نے مدیون سے کوئی زمین یا جائداد رہن کے طور پر لی ہو تو وہ اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھائیں۔ فائدہ بہر حال سود ہے اور وہ کسی شکل میں بھی نہیں لیا جا سکتا۔ علیٰ ہٰذا القیاس یہ بھی جائز نہیں ہے کہ نقد خریداری کی صورت میں ایک مال کی قیمت کچھ ہو اور قرض پر خریدنے کی صورت میں اس سے زیادہ ہو۔

صنعت و تجارت یا زراعت میں براہ راست خود سرمایہ لگانے کی صورت میں ان کو اُن قواعد کا پابند ہونا پڑے گا جو نمبر (۱) اور (۲) میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

حصّہ داری کی صورت میں ان کو لازماً نفع اور نقصان میں یکساں شریک ہونا پڑے گا، اور وہ ایک

طے شدہ تناسب کے مطابق دونوں میں حصہ دار ہوں گے۔ شرکت کی کوئی ایسی صورت قانوناً جائز نہ ہوگی جس کی رو سے سرمایہ دینے والا صرف نفع میں شریک ہو، اور مقرر شرح منافع کا لازماً حق دار قرار پائے۔

(۴) اسلام معاشرے اور ریاست کے ذمّہ یہ فرض عائد نہیں کرتا کہ وہ اپنے افراد کو روزگار فراہم کرے اس لئے کہ فراہمی روزگار کی ذمہ داری بغیر اس کے نہیں لی جاسکتی کہ ذرائع پیداوار پر اجتماعی قبضہ یا کم از کم نازی طرز کا تسلط ہو، اور اس کی غلطی و مضرّت پہلے بتائی جاچکی ہے۔ لیکن اسلام اس کو بھی صحیح نہیں سمجھتا کہ اجتماعی زندگی میں افراد کو بالکل ان کے اپنے ہی ذرائع اور اپنے ہی حالات پر چھوڑ دیا جائے اور آفت رسیدہ لوگوں کی خبر گیری کا کوئی بھی ذمہ دار نہ ہو۔ وہ ایک طرف ہر انسان پر فرداً فرداً یہ اخلاقی فریضہ عائد کرتا ہے کہ وہ اپنے اور پرائے جس فرد بشر کو بھی مدد کا محتاج پائے اس کی مدد اپنی حدِ استطاعت تک ضرور کرے۔ دوسری طرف وہ صناعوں، تاجروں اور زمینداروں سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں جن لوگوں سے وہ کام لیتے ہیں ان کے حقوق کو ٹھیک ٹھیک ادا کریں۔ اور اس سب پر مزید یہ کہ وہ پورے معاشرے اور ریاست پر یہ ذمّہ داری عائد کرتا ہے کہ اس کے حدودِ عمل کے اندر رہنے والا کوئی شخص کم سے کم ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہنے پائے۔ معاشرے کے اندر جو لوگ بے روزگار ہو جائیں، یا کسی عارضی سبب سے ناقابلِ کار ہوں، یا کسی مستقل وجہ سے ناکارہ ہو جائیں، یا کسی حادثے اور آفت کے شکار ہوں، ان سب کو سہارا دینا ریاست کی ذمّہ داری ہے۔ وہ بچے جن کا کوئی سرپرست نہیں، ان کی سرپرستی کرنا ریاست کا فریضہ ہے۔ وہ بیمار جو دوا اور علاج کا خرچ برداشت نہیں کرسکتے، ان کا علاج ریاست کے ذمّہ ہے۔ جو پیٹ خالی ہے اسے بھرنا ریاست کا کام ہے اور جو تن ننگا ہے اسے کپڑا دینا ریاست کا فرض ہے۔ حد یہ ہے کہ جو شخص قرض دار ہو اور اپنا قرض ادا نہ کر سکے اس کا قرض بھی بالآخر ریاست پر جا پڑتا ہے۔ یہ سوشل انشورنس کی ایک وسیع ترین اسکیم ہے جو براہِ راست ریاست کے انتظام میں روبعمل آنی چاہیے۔ اس کے لئے مالی وسائل کی فراہمی کا انتظام اسلام حسبِ ذیل طریقہ پر تجویز کرتا ہے۔

ہر شخص جس نے ایک مقررہ نصاب سے زائد سرمایہ جمع کر رکھا ہو، اپنے سرمایہ کا ۲ ½ فی صدی حصّہ سالانہ زکوٰۃ میں دے۔

ہر زمیندار و کاشتکار اپنی بارانی زمینوں کی پیداوار کا ۱۰ فیصدی اور چاہی و نہری زمینوں کی پیداوار کا ۵ فی صدی حصہ اس مد میں ادا کرے۔

ہر صناع اور تاجر اپنی سالانہ آمدنی کا (منافع کا نہیں بلکہ آمدنی کا) ۲½ فی صدی حصہ دے۔

ہر گلہ بان جو ایک خاص مقدار نصاب سے زائد مویشی رکھتا ہو ایک خاص تناسب کے مطابق اپنی حیوانی دولت کا ایک حصہ ہر سال حکومت کے حوالہ کر دے۔

معدنیات اور دفینوں میں سے بھی خُمس لیا جائے۔

اور کوئی جنگ پیش آئے تو اموال غنیمت میں سے بھی ۲۰ فیصدی حصہ ان اغراض کے لئے الگ کر لیا جائے۔ یہ پوری دولت اُن مصارف کے لئے وقف ہوگی جو قرآن مجید میں زکوٰۃ اور خُمس کے لئے مقرر کئے گئے ہیں، جن کا ایک جزو وہ عظیم سوشل انشورنس کی وہ اسکیم ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔[1]

(۵) اسلام اس بات کو اصولاً پسند نہیں کرتا کہ حکومت خود صناع یا تاجر یا زمیندار بنے۔ اس کے نزدیک حکومت کا کام رہنمائی ہے، قیام عدل ہے، مفاسد کی روک تھام ہے، اور اجتماعی فلاح کی خدمت ہے، مگر سیاسی طاقت کے ساتھ سوداگری کو جمع کرنے کی قباحتیں اتنی زیادہ ہیں کہ وہ اس کے چند ظاہری فوائد کی خاطر اُن کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ صرف ایسی صنعتوں اور ایسے کاروبار کو حکومت کے انتظام میں چلانا جائز رکھتا ہے جو قومی زندگی کے لئے ضروری تو ہوں، مگر یا تو افراد انہیں چلانے کے لئے خود تیار نہ ہوں، یا انفرادی ہاتھوں میں ان کا رہنا فی الواقع اجتماعی مفاد کے لئے نقصان دہ ہو۔ اس قسم کے کاموں کے ماسوا دوسرے صنعتی و تجارتی کام اگر ملک کی ترقی و بہبود کی خاطر حکومت خود شروع کرے بھی تو اسکی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ایک خاص حد تک کامیابی کے ساتھ چلانے کے بعد وہ اس کاروبار کو انفرادی ہاتھوں میں منتقل کر دے۔

یہ حدود و ضوابط اور یہ اصلاحی تدبیریں اگر معیشت کے اُن سات فطری اصولوں کے ساتھ جمع کر دی جائیں جو جدید نظام سرمایہ داری" کے باب میں ہم بیان کر چکے ہیں، تو اس سے جاگیرداری و سرمایہ داری کی تمام خرابیوں کا سدِ باب ہو جاتا ہے اور ایک ایسا متوازن نظام معیشت بن جاتا ہے جس میں انفرادی آزادی

[1] زکوٰۃ اور خمس کے جن مسائل کا یہاں اشارۃً ذکر کیا گیا ہے ان پر تفصیلی معلومات انشاء اللہ ایک مستقل رسالہ میں مرتب کر دی جائیں گی۔

اور اجتماعی فلاح، دونوں ٹھیک ٹھیک عدل کے ساتھ سموئے جا سکتے ہیں، بغیر اس کے کہ موجودہ صنعتی انقلاب کی رفتار ترقی میں ذرہ برابر بھی خلل آنے پائے۔[1]

[1] یہاں اُن مباحث کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اسلامی نظام معیشت پر جامع نظر حاصل کرنے کے لئے اِس کتاب کا باب پنجم (اسلامی نظم معیشت اور اس کے ارکان) نگاہ میں رہنا ضروری ہے نیز اس کے ساتھ میرا مقالہ "انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل" اور میری نشری تقریروں کا مجموعہ "اسلام کا نظام حیات" بھی پیش نظر رہے تو بہتر ہے۔